ڈاکٹر نعیم مظہر
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو،
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

عصری شعور کے تناظر میں ''باغ'' کا مطالعہ

Dr. Naeem Mazhar
Associate Professor,
National University of Modern Languages, Islamabad

A Study of "Baagh" in Context of Epochal Awareness

The epochal awareness arose along with the evolution of origination of Urdu literature. Both of them have a strong connection and now it seems the part of the literature. This trend can be seen in almost forms of literature i.e prose or poetry (eg Dastaan, masnavi, marsiya, roobai, Ghazal etc). The all the treasure in primary literature comprises of ballad are verse form. The people like Ghalib, and Nazir Akbar Abadi narrated the social, cultural and epochal life of their times and it was the basic theme of their poetry.

The epochal awareness is infect the awareness of all the Social, Cultural and educational or aspects which arise on levels of thoughts and circumstances in a particular period of time and this is very important for everybody.

ادب چاہے کوئی بھی ہو یا کسی زبان میں تخلیق کیوں نہ کیا جائے عصری شعور کی کڑیوں سے آزاد نہیں ہوسکتا۔ جب سے ادب وجود میں آیا ہے عصری شعور بھی اس کی رگوں میں خون بن کر دوڑ رہا ہے ادب کی کسی بھی صنف کا جائزہ لیا جائے چاہے وہ نثر ہو یا شاعری اس میں عصری شعور لا محالہ طور پر کار فرما نظر آئے گا۔ مثال کے طور پر غزل، مثنوی، نظم، داستان، مرثیہ، ناول، افسانہ، رباعی وغیرہ میں بھی اسی رجحان کو بروئے کار لایا گیا ہے۔

کیونکہ شروع کے ادب پر ایک نظر دوڑائیں تو ہمیں تمام ادبی سرمایہ منظوم صورت میں ملتا ہے اردو شاعری میں تو میر، غالب اور بہادر شاہ ظفر کے نام لیے جاسکتے ہیں جن کی شاعری اجڑے دلی کا نوحہ اور بدلتے ہوئے عصری حالات

وواقعات کے شعوری نمونے بھی ہیں۔عصری شعور سے مراد نئے زمانے کے بدلتے ہوئے سیاسی،سماجی اور معاشرتی خیالات وواقعات پر نظر رکھنا ہے کیونکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ عصری حالات گردشِ ایام اور مرورِ زمانہ کے تحت نشیب وفراز کا شکار ہوتے رہتے ہیں جس سے عصری شعور میں بھی تنوع آنا فطری اور قطعی بات ہے۔معاشرے کا ہر فرد کسی نہ کسی طرح عصری شعور کا ثبوت باہم پہنچا رہا ہوتا ہے کیونکہ معاشرہ اسی وقت وجود میں آتا ہے جب عصر ہی اپنے عہد سے جڑنے اور زندگی کے معیار پرکھنے کی کسوٹی فراہم کرے اور اس کسوٹی اور معیار کو جانچنے کا نام ادب کہلاتا ہے کیونکہ ادب کے ڈانڈے ہر مکاتیبِ فکر وفلسفہ سے ملتے ہیں اگر یوں کہیں تو بے جا نہ ہوگا کہ ادب ہی ریگزاروں میں مہکتا ہوا گلفام خوشنما ہے جس کی خوشبو چاروں طرف اور برابر پھیلتی ہے۔انہی لق ودق صحراؤں میں سے لالۂ سرخ رو کو چننا ادیب کا کام ہے کیونکہ ادیب ہی معاشرے کی آنکھ اور عصری شعور کی منہ بولتی تصویر ہے۔عصری شعور کے داخلی اور خارجی محرکات کا بطریق احسن ایک ادیب ہی بیان کرسکتا ہے کیونکہ وہ عکاسِ عصر اور نباضِ زمانہ ہوتا ہے اور اس سے زیادہ حساس اور باریک بین فرد معاشرے میں نہیں ہوتا۔بقول شہزاد منظر:

> ''ادیب معاشرے کا انتہائی حساس فرد ہونے کی وجہ سے اپنے دور کے سماجی امور کے بارے میں دوسروں سے زیادہ ادراک رکھتا ہے اور اپنے دور کے بارے میں سوچتا اور محسوس کرتا ہے اس لیے ہر دور اور معاشرے میں ادیب ایک ذمہ دار اور محبِّ وطن شہری کی حیثیت سے اپنے دور کے سماجی سیاسی معاملات کے بارے میں اپنا مخصوص نظریہ اور موقف رکھتا ہے'' (۱)

ایک سچا اور خالص ادب وارداتِ قلبی کے خمیر سے پروان چڑھتا ہے جس میں عصری شعور جزو لاینفک کا درجہ رکھتا ہے۔اسی طرح اردو ادب میں عصری شعور کا اجمالی خاکہ کھینچا جائے تو حالات وواقعات کے اتار چڑھاؤ میں ادب اور ادیب دونوں متاثر ہوتے نظر آتے ہیں۔اردو ادب کے بیج کو تناور درخت بننے میں جہاں عربی،فارسی کے قصے مذکور ہیں جن میں عصری شعور بروئے کار نظر آتا ہے جس نے دانستہ طور پر اپنے قصوں کو اردو ادب میں داخل کر کے داستان کا نام دیا۔ داستان میں چاہے مافوق الفطرت کردار اور عناصر پائے جاتے ہیں مگر مختلف پہلوؤں سے وہ زندگی کی بھی عکاس نظر آتی ہے۔جس سے انسان کی داخلی اور خارجی کیفیات کی بھی کہانی نظر آتی ہے اردو ادب کی پہلی داستان ''سب رس'' میں اپنے زمانے کے مزاج،سماج،تہذیب وتمدن اور اخلاقی اقدار کو بیان کر کے اردو نثر میں عصری شعور کا برملا اظہار نظر آتا ہے ۔ اس کے بعد لکھی جانے والی بے شمار داستانیں اسی روایت کا پتہ دیتی ہیں۔ان میں ''آرائش محفل''،''رانی کیتکی''،''داستان امیر حمزہ''،''طلسمِ ہوش ربا''،باغ وبہار''،''گل صنوبر''،اور فسانۂ عجائب''وغیرہ شامل ہیں۔

شروع شروع میں داستان کو ایک من گھڑت قصہ یا کہانی کہہ کر تخیل کی سطح پر بہتی ہوئی بے بنیاد لفاظی قرار دیا گیا جس

میں داستان گو اپنی مرضی سے جتنا چاہے قصے کوطول دے یا نہ دے۔لیکن انہی کہانیوں اور داستانوں کا بغور مشاہدہ کیا گیا تو پتہ چلا کہ یہ کہانیاں زندگی کے بھرپور مسائل کو بھی بیان کرتی ہیں۔ڈاکٹر فوزیہ اسلم اسی ضمن میں لکھتی ہیں:

''یہ داستان کی وہ دنیا ہے جس کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ تخیلی دنیا ہے،حقائق ارو واقعیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ داستان انسان اوراس کے سماج کی عکاسی reflection بھی ہے اور ردعمل reaction بھی۔اس تخیلی دنیا کا خمیر اسکی محرومیوں سے اٹھتا ہے جن کا علاج مجبور ومقہور دنیا کی دسترس سے باہر ہوتا ہے چنانچہ ان محرومیوں اور بے بسی سے نکلنے کے لیے وہ اس شہزادے کی تخلیق کرتا ہے جو اسے بالآخر آزاد کرا دیتا ہے چنانچہ جس طرح خوابوں کو انسان کی ادھوری زندگی کی تکمیل کا ایک لمحہ کہا جاتا ہے اسی طرح داستان جاگتے ہوئے خوابوں کی ایک صورت ہے''(۲)

داستانوی نثر کا دوسرا اور عمدہ دور فورٹ ولیم کالج کے قیام کے ساتھ وجود میں آیا جس میں مختلف داستانوں کے تراجم کرا کے اسی دور کے شعور کو پروان چڑھایا گیا جس میں اسی دور کی تہذیب وتمدن اور معاشرت کی عکاسی نظر آتی ہے اور یہ دور بھی فسانۂ عجائب کے ساتھ ہی رخصت ہوا۔دلی کالج،فورٹ ولیم کالج اور غالب کی نثر نے نئے اسلوبیاتی ابواب کا در وا کیا جس کی بدولت سرسید کی مقصدی تحریک اردو ادب کے لیے کوکبِ نورانی ثابت ہوئی۔جو معاشرتی مسائل داستانوں میں تھے وہی مسائل عصری شعور کے تحت ناول میں در آئے اور یہ صنف ادب خاص زندگی کی عکاس اور نباض ہے جس میں عصری شعور برملا اپنا اظہار کرواتا نظر آتا ہے کیونکہ اس صنفِ ادب میں خارج سے زیادہ باطنی کہانی بیان کی جاتی ہے۔ڈپٹی نذیر احمد کو ہم پہلا ناول نگار مانتے ہیں۔انھوں نے ۱۸۶۹ء میں ''مراۃ العروس'' لکھ کر اپنی اصلاحی تحریک کا آغاز کیا تھا۔یہ الگ بات ہے کہ نذیر احمد کی ناولیں ادبی حوالے سے کتنی اہمیت کی حامل ہیں۔لیکن پہلا باقاعدہ ناول نگار ہونے کا سہرا انھی کے سر سجا۔ڈپٹی نذیر احمد کے بعد ناول نگاری میں کئی بڑے بڑے نام آتے ہیں،جن میں پنڈت رتن ناتھ سرشار،عبدالحلیم شرر،منشی سجاد حسین،مرزا ہادی رسوا اور علامہ راشد الخیری شامل ہیں۔رسوؔا نے امراء جان ادا لکھ کر اردو ناول کو فن کی بلندیوں پہنچایا۔

یہاں پر مقالے میں ناولوں کا موضوعاتی یا اسلوبیاتی جائزہ لینا مقصود نہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ تبدیلیاں چاہے وہ موضوعاتی ہوں یا اسلوبیاتی،ماجرائی ہوں یا تکنیکی ناول سب کا احاطہ کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

ترقی پسند تحریک اور فسادات کے موضوعات کے تحت لکھنے والوں کی لمبی فہرست موجود ہے۔انھی میں عبداللہ حسین کا نام بھی شامل ہے۔عبداللہ حسین کی پہچان بطور ناول نگار ''اداس نسلیں'' کی وجہ سے بنی۔یہ ناول اس وقت سامنے آیا جب اردو

ناول نگاری میں چند ہی اچھے ناول ملتے ہیں۔ اداس نسلیں سے تھوڑا عرصہ پہلے ''آگ کا دریا'' چھپ چکا تھا۔ دیکھا جائے تو اداس نسلیں آگ کے دریا کی اگلی کڑی ہے۔ اداس نسلیں ۱۸۵۷ء کے بعد کے حالات کی عکاسی کرتا ہے وہیں پہلی جنگ عظیم اور دوسری جنگ عظیم کا بھی ذکر ملتا ہے۔ اداس نسلیں کا ہیرو نعیم ہے جو نیاز بیگ کا بیٹا اور ایاز بیگ کا بھتیجا ہے۔ وہ نعیم کو کیمبرج تک تعلیم دلواتا ہے۔ اداس نسلیں میں دیہاتی زندگی کے ساتھ ساتھ شہری زندگی کی عکاسی بھی ملتی ہے اور روشن محل میں آنے جانے والے ملکی اور غیر ملکی لوگوں کا تعلق سیاست اور زندگی کے مختلف شعبوں سے دکھایا گیا ہے۔

عبداللہ حسین کا ایک اور اہم ناول ''باگھ'' ہے جو ''اداس نسلیں'' کے تقریباً بیس سال بعد لکھا گیا ہے۔ یہ ناول مختلف حوالوں سے اپنی پہچان رکھتا ہے۔ یہ ایک رومانی کہانی بھی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو کشمیر کے موضوع کو بھی سمیٹتا ہوا نظر آتا ہے۔ اصل میں اس ناول کا ہیرو اسد ہے جو پنجاب کا رہنے والا دیہاتی لڑکا ہے، جو ایک سانس کی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اپنی بیماری کے علاج کے لیے ایک حکیم کے پاس جا پہنچتا ہے اور اس ناول کی کہانی کو آگے بڑھانے کے لیے حکیم صاحب اور اس کی بیٹی یاسمین اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ کیونکہ اگر بغور دیکھا جائے یہ تین ناول کے جاندار کردار ہیں۔ تاریخی حوالے سے دیکھا جائے تو یہ ناول اداس نسلیں کی اگلی کڑی نظر آتا ہے۔ چونکہ ''اداس نسلیں'' آزادی سے پہلے کی کہانی پر مبنی ہے۔ جبکہ ''باگھ'' آزادی کے بعد کے حالات و واقعات پر مبنی ناول ہے۔ ''اداس نسلیں'' میں نعیم اپنے چچا ایاز بیگ کے ساتھ رہ کر تعلیم حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح اسد بھی اپنے والد کی وفات کے بعد اپنے چچا ہی کے پاس رہ کر تعلیم مکمل کرتا ہے۔

''باگھ'' کا کچھ حصہ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے حالات و واقعات پر مبنی ہے۔ جب ''باگھ'' لکھا گیا تو اس وقت اردو ادب میں مزاحمتی ادب کا دور شروع ہو چکا تھا کیونکہ اسی کی دہائی تک آتے آتے اردو ادب میں کئی موضوعات اور رجحانات جنم لے چکے تھے۔ باگھ کے بارے میں ڈاکٹر ممتاز احمد نے لکھا ہے کہ یہ ایک علامتی کہانی ہے اور یوں رقمطراز ہیں:

> ''باگھ کے متعلق خود عبداللہ حسین نے تسلیم کیا ہے کہ یہ غیر شعوری طور پر لکھا گیا علامتی ناول ہے۔ اس کے ہیرو کا نام اسد ہے جو کہ باگھ ہی کا بدل ہے۔ اسد کی فطرت میں باگھ کی سی قوت، بیقراری اور تسلط کا جذبہ ہے۔''(۳)

دراصل اسد حالات کے سامنے مجبور نہیں ہونا چاہتا۔ وہ چاہتا ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہو جائے۔ اسد کے اندر ایک شیر کی طرح کا جذبہ ہے جو جنگل میں سب کا بادشاہ ہوتا ہے۔ اسی طرح جب اسد شیر کی دھاڑ سنتا ہے تو وہ بے چین ہو جاتا ہے اور اس شیر کا پیچھا کرتے کرتے کئی حالات و واقعات سے گزرتا ہے۔ اس کی دھاڑ کو ڈھونڈنے کے لیے اسے کئی نشیب و فراز کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً حکیم صاحب کے قتل کا معاملہ، تھانے میں سزا کا عمل اور پھر ذوالفقار نامی شخص سے معاملات، سرحد پار کا واقعہ اور وہاں پر گاؤں میں گائے چراتے، لکڑیاں بیچنے کے دوران بھی یاسمین کی رہ رہ یاد کا ستانا وغیرہ وغیرہ۔

اسد کی ذات میں بیقراری ہے اور اضطرابی بھی شاید وہ سمجھتا ہے کہ انسان ایک مشکل کے ختم ہونے پر خوشی خوشی جی لے گا لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔ انسان ہمیشہ سے کسی نہ کسی آزمائش میں رہا ہے اور رہے گا وہ کبھی بھی یہ نہیں کہتا کہ میں اس دنیا سے کامیاب و کامران ہو کر جا رہا ہوں لیکن یہ بھی نہیں انسان مشکلات سے گھیرا تمام معاملات زندگی سے ہاتھ کھینچ لے یہ بھی انسان کو زیب نہیں دیتا، ''اداس نسلیں'' کا نعیم اور ''باگھ'' کا اسد دونوں ایک ہی طرح کے کردار نظر آتے ہیں۔ باگھ کی کہانی جو بھی ہو اسد کی صورت میں عبداللہ حسین کی اپنی زندگی کا ہی ایک باب ہے۔ ناول کا مرکزی کردار اسد ہے اور وہ معاشرے سے نااتفاقی، جبر و استحصال اور زیادتی کا خاتمہ چاہتا ہے۔

منظر نگاری کے حوالے سے بھی ''باگھ'' اپنی مثال آپ ہے۔ عبداللہ حسین نے کشمیر کے سیاسی اور سماجی حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ کشمیر کی تحریک آزادی کو ایک مخصوص زاویہ سے دکھایا ہے۔ ''باگھ'' کا شمار جدید اردو ناول میں ہوتا ہے۔ اس عہد میں عصری آگہی کے لیے مخصوص رجحان علامت نگاری سے کام لیا جا رہا تھا۔ اس زمانے میں جو علامتی ناول لکھے گئے ہیں ان سب میں تہذیب کے ساتھ ساتھ سیاسی دباؤ زیادہ نظر آتا ہے۔ اس حوالے سے سید محمد عقیل لکھتے ہیں:

''پاکستان میں فوجی حکومتوں کے درمیان جو علامتی ناول لکھے گئے ہیں ان میں کچھ تہذیبی نہیں بلکہ سیاسی دباؤ کے باعث قصے کی اوپر لی سطح سے ناول اشاری سطح پر اتر جاتے ہیں۔ عبداللہ حسین کا ناول باگھ اس کی واضح اور اچھی مثال ہے۔''(۴)

''باگھ'' کا موضوع چاہے جو بھی ہو وہ ایک محبت کی کہانی ہو، تاریخی حوالے سے ہو یعنی کشمیر کے حوالے سے ہو، یا ظلم و ستم اور جبر کو برداشت کرنے کی کہانی ہو لیکن ایک بات مستند ہے کہ ''باگھ'' اپنے عصر کا نمائندہ ناول ہے۔

حوالہ جات

۱۔ شہزاد منظر، ادب میں انتہا پسند رجحانات، ماہنامہ فنون، نومبر۔ دسمبر، ۱۹۹۱ء، ص:۱۴۔

۲۔ فوزیہ اسلم، ڈاکٹر، اردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات، پورب اکیڈمی اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، ص:۴۶۔

۳۔ ممتاز احمد خاں، ڈاکٹر، اردو ناول کے بدلتے تناظر، ویلکم بک پورٹ، کراچی، ۱۹۹۳ء، ص:۲۷۱۔

۴۔ محمد عقیل، سید، جدید ناول کا فن، نیا سفر پبلی کیشنز، الہ آباد، ۱۹۹۷ء، ص:۲۲۔